جناب پروفیسر محمد سلیمان اظہر ایم۔اے

شیخ الکل کا سفر حج اور مقلدین کا متحدہ محاذ

؎ کس شوق کس تمنا کس درجہ سادگی سے
ہم آپ کی شکایت کرتے ہیں آپ ہی سے

تیرھویں صدی میں بہار کے اندر ایک ایسی ہستی کا تولّد ہوا جس نے نہ صرف ہند بلکہ عرب و عجم میں اپنے علوم و معارف کی ضیا باریوں سے روشنی پھیلا دی۔ اس کا سینہ گنجینۂ معانی تھا۔ اس کی روح پرفتوح میں فیوض لدنّی اور افادات معنوی کا ایسا جوہر تھا کہ اس سے اپنی آغوشِ تربیت میں بڑے بڑے صاحبانِ علم و عرفان پیدا کئے۔ اس کے حلقۂ درس میں ایسے ایسے طالبانِ علم حاضر ہوئے کہ جنہوں نے اپنے عصر و عہد میں عالمگیر شہرت و عزت حاصل کی۔ وہ اپنے دور کے شیخ نجم الدین کبریٰ تھے جنہوں نے آسمانِ علم پر تابندہ ستاروں کی ایک لافانی کہکشاں چُن دی۔ اس بوریا نشین عالم نے بہار سے ہجرت کر کے دہلی میں شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے علماء کی مسند پر انہی کی طرح سادہ اور بے تکلف زندگی گزاری۔ اس کا مقصدِ حیات علم و عرفان کی خدمت تھا۔ اس کا مدرسہ نہ تو کسی شاندار عمارت میں واقع تھا نہ اس کے لئے کوئی بہت بڑی جائیداد وقف تھی نہ کسی نواب یا حکومت کی طرف سے کوئی گرانٹ ملتی تھی مگر دنیا بھر کے پیاسے اس کے پاس علم کی پیاس بجھانے کشاں کشاں چلے آتے تھے۔ بہار کا یہ مایۂ ناز فرزند (سید محمد نذیر حسین) اپنے عہد کا امام المحدثین تھا۔ ایسے شخص کو محدث یا فقیہہ کیا کہا جائے جس نے محض نظرِ روحانی اور توجہ باطنی سے کتنے محدث اور فقہاء پیدا کر دیئے، انہ۔ کہ علامہ کہتا کون سا بڑا اعزاز ہے جبکہ اس کے

حلقۂ درس کے سینکڑوں حاشیہ نشین علامہ اور ائمۂ فن ہوگئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس ایسے کافی الفاظ نہیں جو اس کی حقیقی عظمت کی نشان دہی کر سکیں۔ اس کا دماغ علوم و فنون کا مخزن تھا، اس کی زندگی صحابہ کرامؓ اور محدثین عظام کی سادگی اور بے تکلفی کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی، اس کے خلوصِ نیت اور شغلِ علم سے ائمہ دین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ وہ اپنی خورش و پوشش، اپنی رفتار و گفتار، اپنے اخلاص و ایثار، اپنی مذہبیت و دینداری، الغرض اپنی پاکیزہ زندگی کی ہر ہر ادا سے ہمارے قلوب میں اگلے بزرگوں کی طرح اپنے وقار اور عظمت کا ایک غیر فانی نقش چھوڑ گیا۔

شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلویؒ المعروف میاں صاحب حضرات ائمہ مثل امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابن تیمیہؒ اور حضرت مجددؒ کی روایات کے امین تھے اور جس طرح اپنے اپنے دور میں یہ اکابر عوام یا حکومت کے ہاتھوں ستائے گئے، اسی تقدیر سے شیخ الکل کو بھی دوچار ہونا پڑا۔ حکومت کی جانب سے آپ جن ابتلاؤں میں مبتلا کئے گئے، اس کا ہلکا سا جائزہ ہم اپنے مضمون "شیخ الکل کی سیاسی زندگی" میں پیش کر چکے ہیں۔ اور آج کی نشست میں عوام کی طرف سے ابتلاؤں کا ذکر ہمارا موضوع سخن ہے۔ شیخ الکل کا سفرِ حج ان ابتلاؤں کا نقطۂ عروج تھا۔ اس لئے ہم نے اسی سفر کو سرِ عنوان بنایا ہے۔

سفرِ حج کے دوران سید صاحب کو جن حالات سے گزرنا پڑا ان کا خمیر بڑے عرصے سے پک رہا تھا۔ ہم بطور اختصار آپ کو ان حالات سے آگاہ کئے دیتے ہیں۔ مولانا محمد حسین بٹالوی کے سسرال کوم کلاں ضلع لدھیانہ میں تھے۔ ایک مرتبہ کوم سے واپسی پر وہ لدھیانہ میں آئے، نماز کا وقت تھا، انہوں نے لدھیانہ کی ایک مسجد میں نماز ادا کی۔ جب وہ چلے گئے تو مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے آباء نے جو اس وقت علماء لدھیانہ کے سرخیل تھے، مسجد کو پانی سے دھلوا کر بزعم خود پاک کیا اور ؎

کیسے ممکن ہے دھواں بھی نہ اٹھے دل بھی جلے
چوٹ پڑتی ہے تو پتھر بھی صدا دیتے ہیں

... کے مصداق مولانا بٹالوی نے ان علماء سے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا اور ایک اشتہار شائع کیا کہ:

"میں مولوی عبدالعزیز صاحب و مولوی اسماعیل صاحب ساکنان بلیہ والی اور جو ان کے ساتھ طالب علم ہیں جیسے میاں غلام محمد صاحب ہوشیار پوری و میاں نظام الدین و میاں عبدالرحمان کو بطور اشتہار وعدہ دیتا ہوں کہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی صاحب مسائل ذیل میں کوئی آیتِ قرآن

یا حدیث صحیح جس کی صحت میں کلام نہ ہو اور وہ مسئلہ میں، جس کے لئے پیش کی جائے، نص صریح... قطعی الدلالۃ ہو پیش کریں تو فی آیت و فی حدیث یعنی ہر آیت و حدیث کے بدلے دس روپے بطور انعام دوں گا۔

۱۔ رفع یدین نہ کرنا آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا بوقت رکوع کرنے اور رکوع سے سر اٹھانے کے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نماز میں خفیہ "آمین" کہنا۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنا۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقتدیوں کو سورۃ فاتحہ پڑھنے سے منع کرنا۔

۵۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا باری تعالیٰ کا کسی امام کے ائمہ اربعہ سے تقلید واجب کرنا۔

۶۔ ظہر کا وقت دوسری مثل کے اخیر تک رہنا۔

۷۔ عام مسلمانوں کا ایمان اور پیغمبرؐ اور جبریلؑ کا ایمان مساوی ہونا۔

۸۔ قضا کا ظاہر میں نافذ ہونا (تشریح) مثلاً کوئی شخص ناحق کسی کی جورو کا دعویٰ کرکے کہ یہ میری جورو ہے اور قاضی کے سامنے جھوٹے گواہ پیش کرکے مقدمہ جیت لے اور وہ عورت اسکو مل جائے تو وہ عورت بحسب ظاہر بھی اس کی بی بی ہے اور اس سے صحبت بھی اسکو حلال ہے۔

۹۔ جو شخص محرماتِ ابدیہ جیسے ماں بہن سے نکاح کرکے اس سے صحبت کرے تو اس پہ حدِ شرعی جو قرآن و حدیث میں وارد ہے، نہ لگانا

۱۰۔ تحدیدِ آب جو وقوعِ نجاست سے پلید نہ ہو، دَہ دردَہ سے کرنا۔

تنبیہ:

ان مسائل کی احادیث تلاش کرنے کے واسطے میں ان صاحبوں کو اس قدر مہلت دیتا ہوں، جس قدر یہ چاہیں۔ زیادہ مہلت میں ان کو یہ گنجائش بھی ہے کہ یہ اپنے ہم مذہبی بھائیوں سے امداد لے سکیں۔" (المشتہر: ابو سعید محمد حسین لاہوری، ۲۶ رمئی ۱۸۷۷ء)

یہ اشتہار آپ نے بار بار شائع کیا اور منجمد مقلدین کے لئے ایک زبردست دھماکہ ثابت ہوا۔ اس کا شدید ردِّ عمل ہوا، بے شمار جواب لکھے گئے۔ جواب لکھنے والوں میں مولانا قاسم نانوتوی، مولانا گنگوہی، مولانا محمد لدھیانوی، مولوی رحیم بخش مصنف "حیاتِ ولی"، مولانا عبد العلی مدراسی جیسے

اکابر شامل ہیں، لیکن سوالوں کا جواب کسی نے نہیں دیا، نہ کوئی آیت پیش کی نہ صریح النص صحیح حدیث پیش کی۔ بلکہ غیر متعلق بحثیں کر کے دل کا غبار نکالنے کی کوشش کی۔ مقصد میں ناکام ہو کر ایک دوسرا محاذ کھول دیا گیا کہ اہلِ حدیث کو مساجد میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ یہ لوگ لا مذہب، مرتد، خارج از اسلام اور واجب القتل ہیں، ان کا ہر محاذ پر مقابلہ کیا جائے، معاشی بائیکاٹ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں بہت سی کتابیں اور فتوے شائع کئے گئے۔ ان میں مشہور ترین کتاب گلابی چورقہ موسومہ جامع الشواہد ہے۔ اس میں اہلحدیث کے ذمہ یہ عقائد لگائے گئے کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے (معاذ اللہ) اور یہ لوگ ختمِ نبوت کے قائل نہیں ہیں۔ حالانکہ خود احناف کی کتابیں اس قسم کے عقائد سے بھری ہوئی ہیں جیسا کہ "کاشف المکائد فی ردّ منع عن المساجد" مطبع دہلی میں یہ جواب دیا گیا کہ خدا کا جھوٹ بولنا اور وعید میں خلاف ورزی کرنا احناف کی کتاب "شرح عقاید ص ۷۳" پر موجود ہے اور انبیاء سے خطاء وزلّات کا سرزد ہونا "مرقاۃ" از ملا علی قاری اور شرح فتوح الغیب از شیخ عبدالحق دہلوی، اور نور الانوار میں موجود ہے۔ الف لام خاتم النبیین کو عہدِ خارجی ٹھہرانے سے اگر انکارِ ختمِ نبوت نکلتا ہے تو اس جرم کے مرتکب مولوی عبدالحی لکھنوی ہیں جنہوں نے رسالہ "دافع الوسواس عن اثر ابن عباس" میں اس الف لام کو عہدِ خارجی کیلئے ٹھہرایا ہے اور مولانا قاسم نانوتوی نے بھی "تحذیر الناس" میں اس کو عہدِ خارجی کیلئے ٹھہرایا ہے گویا ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

اس سلسلہ کی دوسری مشہور کتاب "انتظام المساجد" ہے۔ جس میں احناف نے بہت سے عقائد اہلِ حدیث کے ذمے لگا کر انہیں رگیدا اور مساجد میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا۔ اہلِ حدیث نے اس کا عمدہ جواب بنام "عمارت المساجد بہدم اساس جامع الشواہد" دیا جو مطبع گلزار بنارس سے طبع ہوا۔ اس میں پہلے سے زیادہ کتبِ حنفیہ کے حوالوں سے ان مسائل کو حنفیہ کے مسئلے ثابت کیا۔ اسی طرح ایک اور جواب "جامع الفوائد" کے نام سے دیا گیا۔ اور ایک جواب "صیانۃ المؤمنین عن تلبیس المبتدعین" کے نام سے دیا جو مطبع بحر الاسلام منگلور سے شائع ہوا۔ غرض ملک بھر میں عجیب قسم کی فرقہ وارانہ فضا پیدا ہو گئی۔ مقلدین کو تقلید کا جمود ٹوٹنا گوارا نہ تھا اور اہلحدیث اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے۔ بیشمار مقدمات عدالتوں میں دائر ہوئے۔ مناظرات اور مناظرانہ تحریروں کا بازار گرم ہوا۔ عمل بالسنت پر مساجد سے نکالنے اور مار پیٹ کے واقعات ہونے لگے لیکن ایسی باتوں سے حق کہیں دبا نہیں کرتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عاملِ سنت دن بدن بڑھتے چلے گئے اور

جمود و تقلید کی بندش ڈھیلی پڑنے لگی۔ چونکہ اہلحدیث یہ جنگ اپنے استاد سید نذیر حسین محدث دہلوی کی قیادت میں لڑ رہے تھے اس لئے مخالفین کا نشانۂ ستم بھی وہی سب سے زیادہ تھے۔ اسی اثناء میں ان کا پروگرام حج پر جانے کا بن گیا۔ مخالفین کو یہ سجھائی دیا حرمین میں احناف کی حکومت ہے اور ہم بھی حنفی ہیں، میاں صاحب حج کو جا رہے ہیں کیوں نہ انہیں وہاں حکومتِ وقت سے سازباز کر کے قید کروا دیا جائے یا کسی ایسے مسئلے میں الجھا کر، جس کی سزا قتل ہو، ان کے وجود سے نجات حاصل کر لی جائے۔ یہ سوچ کر ان کے سازشی ذہن نے کام تیز تر کر دیا۔ ادھر حرمین میں بھی ترک حکمران اور اشرافِ مکہ وہابیوں کے سخت خلاف تھے اور یہاں شیخ الکل کو سرگروہِ وہابیاں کہا جاتا تھا۔ بات بن گئی، الزام ہاتھ آ گیا اور کچھ اپنے پاس سے بنا کر فردِ جرم تیار کر لی۔ خود ہی ایک رسالہ لکھا اور کہا کہ یہ سید نذیر حسین کا رسالہ ہے اور پھر اس کی عبارات کا عربی ترجمہ کر کے حرمین میں پہنچا دیا۔ وہاں بھی ہندی علماء موجود تھے۔ انہوں نے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا جیسا کہ مولانا محمد حسین بٹالوی کہتے ہیں کہ میں جب حج کیلئے گیا (آپ نے میاں صاحب سے پہلے حج کیا)، تو میں نے مولوی رحمت اللہ کیرانوی کے منہ سے شیخ الکل کے متعلق مغلظات سنیں۔ ایک ایسے شخص سے جسے میں مادرزاد ولی سمجھتا ہوں، یہ بھی سنا کہ کیرانوی صاحب نے کہا تھا کہ نذیر حسین ایک دفعہ حج کیلئے یہاں آ جائے تو پھر اسے زندہ واپس نہیں جانے دیا جائیگا (دیکھئے اشاعۃ السنۃ ج ۷ نمبر ۱۰) اور اس کے بعد کا حال آپ مولانا ابو الکلام آزاد کی زبانی سنئے جن کے والد مولوی خیر الدین اس کمیٹی میں شامل تھے جو حرمین میں اس مقصد کیلئے بنائی گئی تھی کہ سید نذیر حسین یہاں سے بچ کر نہ جائیں۔ مولانا ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں:

"مولانا سید نذیر حسین مرحوم ہندوستان میں درسِ حدیث کے آخری مرکز تھے۔ انہوں نے جب سفرِ حج کا ارادہ کیا تو ان کو خیال پیدا ہوا کہ مخالفین مکہ میں ایذا رسانی کی کوشش کرینگے اس لئے کہ علمائے وہابیہ کے ساتھ وہاں جو سلوک پہلے ہو چکا تھا، اس سے باخبر تھے اور اب حجاز کی حالت یہ ہو رہی تھی کہ بلا تقیہ کوئی وہابی محفوظ طور پر نہ رہ سکتا تھا۔ شیعہ و خوارج تو علانیہ جاتے اور حج کرتے۔ کوئی روک پیش نہ آتی مگر وہابیہ کے لئے یہ موقع نہ تھا۔

مولانا نذیر حسین نے چونکہ غدر میں مسز لیسن کی جان بچائی تھی اس لئے حکام سے انکے تعلقات اچھے تھے۔ انہوں نے ڈپٹی کمشنر دہلی کے ذریعے سے فارن آفس میں سلسلہ جنبانی کی اور جدہ میں برٹش قونصل کے نام ایک سفارشی چٹھی بھجوائی جس میں لکھا تھا کہ ان کی

حفاظت کی جائے اور جو ضرورت انہیں پیش آئے اس میں حتی الامکان پوری مدد دی جائے اس طرح یہ جہاز روانہ ہو گئے ۔" (آزاد کی کہانی ص ۱۰۲،۱۰۳)

آگے لکھتے ہیں :

"ہندوستان میں چونکہ اس وقت تقلید و عدم تقلید کا فتنہ زور پر تھا اور مولانا نذیر حسین غیر مقلدین کے سب سے بڑے شیخ سمجھے جاتے تھے اس لئے فوراً مکہ میں اطلاع دیدی گئی کہ وہابیہ کا سب سے بڑا سرغنہ آ رہا ہے ۔ اگر یہاں کوئی کارروائی نہ کی گئی تو اس بات کو وہابی حجاز میں اپنی فتح سے تعبیر کریں گے اور عوام کو اس سے بہت فتنہ ہوگا ۔" (آزاد کی کہانی ص۱۰۳)

اور اندرون ہند وہابیوں کے تعلقات انگریز گورنمنٹ سے بقول مولانا کچھ اس طرح کے تھے :

"اس زمانے میں وہابیوں کی جانب سے گورنمنٹ ہند نہایت برافروختہ تھی اور ان کی جماعت کو سخت خطرناک پولیٹکل جماعت سمجھتی تھی ۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہ جماعت مولانا اسماعیل کی جماعت سمجھی جاتی تھی جنہوں نے اپنی تحریک کی بنیاد مسئلہ جہاد پر رکھی تھی اور سکھوں سے عملاً جہاد کیا تھا ۔ مولانا اسماعیل کے بعد سید صاحب کی جو جماعت سرحد پر رہ گئی تھی وہ مولانا صادقپوری کی امارت میں از سر نو قائم ہوئی اور اس سے اور انگریزوں سے دو تین مرتبہ مڈبھیڑ ہوئی تھی اور گورنمنٹ کو خیال ہو گیا تھا کہ اب یہ جماعت انگریزوں سے جنگ کرنا چاہتی ہے ۔"

اس کے بعد انگریزوں کے ظلم و ستم کی نشاندہی کرنے کے بعد مولانا فرماتے ہیں :

"ان اسباب کی وجہ سے اس جماعت کے علماء نے بجز اس کے کوئی اور چارہ کار نہ دیکھا کہ ہجرت کر جائیں ۔ بہت سے لوگ تو غدر کے موقع پر ہی چلے گئے تھے اور جو اس دار و گیر سے کسی طرح بچے ، انہوں نے بھی حجاز کو دارالامان سمجھ کر ہجرت کی ۔ چنانچہ غدر کے بعد علماء وہابیہ کی ایک بڑی جماعت مکہ معظمہ میں فراہم ہو گئی تھی ۔ لیکن یہاں بھی اس کے برخلاف متعدد اسباب موجود تھے ۔ سب سے پہلے یہ کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ان کی جماعت سے علماء حجاز و عوام کو سخت تعصب اور عناد تھا ۔ پھر سلطنت عثمانیہ نے پولٹیکل اغراض و مقاصد سے وہابیوں کو بہت بدنام کیا تھا اور وہابی ہونے کو عملاً ایک بڑا جرم قرار دے رکھا تھا ۔ ان اسباب سے البلد الامین (مکہ) میں بھی وہابیوں کی جماعت کیلئے امن نہ تھا اور وہ ایک

باغیانہ جماعت سمجھی جاتی تھی - ابتداء میں علماء حجاز اور گورنمنٹ کو اس تحریک کی خبر نہ تھی جو ہندوستان میں شروع ہوئی تھی - بلکہ جب مولانا محمد اسماعیل نے مولانا سید احمد کے ساتھ حج کا سفر کیا تو یہ وہاں بہت اچھا اثر چھوڑ آئے تھے - اس لئے وہابیہ ہند کی جماعت سے کسی کو سوء ظن نہ تھا لیکن ہندوستانی علماء کے منفیین مکہ نے یہ فتنہ اٹھایا اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس میں سب سے بڑا حصہ والد مرحوم کا تھا - ان کے تعلقات شریف اور قسطنطنیہ سے گہرے تھے - انہی نے علمائے حجاز اور شریف کو مطلع کیا کہ یہ جماعت باعتبار عقائد محمد بن عبدالوہاب کی جماعت ہے، اور ہندوستان سے اس لئے آئی ہے کہ یہاں اپنی تحریک پھیلائے - ثبوت میں تقویۃ الایمان اور بعض دوسری کتابوں کے حسبِ حال مطالب عربی میں ترجمہ کرکے شائع کر دیئے . . . .

. . . والد مرحوم نے شریف کو ان لوگوں کے خلاف سخت برانگیختہ کر دیا - اسی زمانے میں اتفاقاً یہ واقعہ پیش آیا کہ قاضی محمد مراد بنگالی طائف گئے - جب واپس آئے تو شیخ عبداللہ مرداد امام حنفی ان سے ملنے گئے اور دستور کے مطابق سلام کے بعد " زیارت مقبول " کہا - جس سے مراد حضرت ابن عباسؓ کی قبر کی زیارت تھی - قاضی صاحب نے جواب دیا کہ میں کسی قبر کی زیارت کیلئے نہیں گیا بلکہ محض تفریح کیلئے گیا تھا - اس بات کا بہت چرچا ہوا اور شریف تک پہنچائی گئی - اور اس کے معنی یہ ٹھہرائے گئے کہ یہ لوگ بھی محمد بن عبدالوہاب کی طرح قبورِ صالحین کی زیارت کے مخالف ہیں - نتیجہ یہ نکلا کہ چند دنوں کے بعد اچانک اس جماعت کے اکتیس[۳۱] آدمی گرفتار کر لئے گئے جن میں مولانا رحمت اللہ صاحب " اظہار الحق " بھی تھے لیکن یہ بعد کو رہا کر دیئے گئے، کیونکہ انہوں نے اپنی حنفیت کے بہت واضح دلائل پیش کر دیئے تھے - شریف نے ایک مجلس مقرر کی اور والد مرحوم سے کہا کہ ان لوگوں کے عقائد کی تحقیقات کریں -

ان پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ بھی محمد بن عبدالوہاب کی جماعت سے ہیں - انہوں نے اس سے انکار کیا - اس پر والد مرحوم نے سترہ سوالات مرتب کرکے پیش کئے - جن میں وجوبِ تقلید شخصی، استحبابِ قیام، زیارتِ قبور کیلئے سفر اور استمداد و توسل بالصالحین وغیرہ سوالات تھے - افسوس ہے اس موقع پر بجز تین شخصوں کے باقی سب نے تقیہ کیا اور کسی نے بھی استقامت نہ دکھائی -

مولوی محمد انصاری، مولوی محمد لطیف اور قاضی محمد مراد نے بڑی جرأت و دلیری کے

کے ساتھ اپنے صحیح عقائد پیش کر دیئے اور کہا، اگر قرآن وسنت پر عمل کرنا اور بدعت سے اجتناب کرنا جرم ہے تو ہم مجرم ہیں اور ہر طرح کی سزا برداشت کرنے کو تیار۔

پھر ان سے کہا گیا کہ اپنے عقائد سے توبہ کریں ورنہ سخت تعزیر کی جائے گی۔ لیکن یہ اس پر رضامند نہ ہوئے۔ اس پر شریف نے ان تینوں میں سے ہر ایک کو انتالیس انتالیس کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ انتالیس اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک حد کی تعداد چالیس کوڑے ہیں اور تعزیر کو اس تعداد سے کم ہونا چاہیئے۔

اس موقع پر نہایت عبرت انگیز بات یہ ہے کہ جب اسلامی حکومت اور جوار بیت اللہ میں ایک مسلمان جماعت علماء پر ظلم وستم ہو رہا تھا تو اس وقت اگر ان کو کوئی پناہ مل سکی تو انہی کفار کے دامن میں جن سے بھاگ کر یہ یہاں آئے تھے۔ ان میں سے بعض کے احباب ان کی گرفتاری کے بعد ہی جدہ آگئے تھے اور برٹش قونصل کو خبر دی تھی کہ برٹش رعایا پر یہ عذاب نازل ہو رہا ہے۔ برٹش قونصل نے اس معاملے کو قابل مداخلت خیال کیا اور گورنر مکہ کو مراسلت بھیجی کہ برٹش رعایا کی گرفتاری بجز فوجداری جرائم کے اور کسی وجہ سے نہیں ہو سکتی اور اگر انہیں چوبیس گھنٹے کے اندر نہ چھوڑ دیا گیا تو برٹش گورنمنٹ اس معاملے کو باب عالی کے روبرو پیش کریگی۔

تب گورنر نے شریف پر زور ڈالا اور تعزیر کی کارروائی وقوع میں آنے سے قبل ہی یہ لوگ مجبوراً چھوڑ دیئے گئے لیکن انہیں یہ سزا دی کہ سب کے سب اکنیس آدمی خارج البلد کر دیئے اور حجاز کی پولیس نے انہیں جدے لاکر برٹش قونصل کے حوالے کر دیا۔"

(آزاد کی کہانی)

یہ ہے وہ واقعہ جو میاں صاحب کے سفر حج سے پہلے مکہ معظمہ میں پیش آچکا ہے۔ میاں صاحب نے "السعید من وعظ بغیرہ" (خوش نصیب ہے وہ شخص جو دوسروں کے حالات سے نصیحت حاصل کرے) کے مطابق اس واقعہ کو اپنے لئے سبق آموز قرار دیا اور احتیاطی تدابیر کے طور پر دہلی کے بعض انگریز افسروں کو اپنے ارادۂ حج کی اطلاع دیکر برطانوی قونصل مقیم جدہ کے نام چٹھیاں حاصل کیں۔ تاکہ معاندین کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ حالات کی روشنی میں میاں صاحب کا یہ فعل نہ شرعاً قابل اعتراض ہے نہ اخلاقاً۔ لیکن اس واقعہ کو بھی غلط رنگ دیکر کہا گیا:

"مسز لی سن کی جان بچانے کے صلہ میں سفر حج کے موقع پر انگریز افسروں کی چٹھیاں مولانا

کر دی تھیں کہ اپنے حدود میں سرکاری عملہ ہر جگہ مولانا کے ساتھ تعاون کرے ۔"

عقل پر پردہ پڑ جائے تو حقیقت اوجھل ہو جاتی ہے ۔ مسز لی سن کی جان بچانے کا واقعہ ۱۸۵۸ء کا ہے اور حج کے موقع کی چٹھیاں ۱۸۸۳ء کی ہیں ۔ کون کہہ سکتا ہے کہ دفادارانہ کاموں کے انعامات ۲۶ سال بعد ملا کرتے ہیں ۔ اور پھر یہ چٹھیاں انگریزوں کی طرف سے از خود نہیں ملی تھیں بلکہ انہیں حاصل کرنے کیلئے میاں صاحب نے خود کوشش کی تھی ۔ جیسا کہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے ۔ ناظرین کرام اگر ان چٹھیوں کو صلہ قرار دیا جائے تو ان چھبیس سالوں کے عرصہ میں میاں صاحب کا پھانسی کے تختہ پر پہنچ جانا ، راولپنڈی میں ایک سالہ نظر بندی ، حکومت دہلی اور بنگال و بہار کی پولیس رپورٹیں جن میں میاں صاحب کو ایک سرگرم وہابی بلکہ مدار المہام کہا گیا ہے ، کس کھاتے میں ڈالی جائیں گی ؟ یہ کوئی صلہ نہیں تھا بلکہ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے معاندین کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے حکومت وقت سے تحفظ کی درخواست تھی جو میاں صاحب کے مقام عالی اور کچھ انگریزوں کی احسان شناسی کے باعث منظور کر لی گئی ۔

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)